قرآن مجید اور اس کی حفاظت

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحَافِظُوْنَ ۔

(۱۰)

از جناب مولانا محمد بدر عالم صاحب میرٹھی استاذ حدیث جامعہ اسلامیہ ڈابھیل

گذشتہ صفحات میں جو کچھ آپ نے ملاحظہ فرمایا وہ آیت قرآنیہ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحَافِظُوْنَ ۔ کی صرف عہد نبوت کی تفسیر کا ایک ورق تھا اب اس کا دوسرا ورق پڑھیے ۔ عہدِ رسالت اب ختم ہوتا ہے اور خدائے قدوس کا قرآن پاک جو کل تک آیاتِ متفرقہ کی شکل میں صرف افراد کو محفوظ تھا اب الحمد سے لیکر سورۂ والناس تک ہزاراں ہزار سینوں میں محفوظ ہو چکا ہے جس کی تلاوت کبھی تنہائیوں میں دھیمی دھیمی آواز سے ڈر ڈر کر کی جاتی تھی اب بچوں اور جوانوں کی زبانوں پر گلی گلی کوچہ کوچہ میں علی الاعلان قرأت کیا جانے لگا ہے کہ اسی ساکن فضا میں اچانک خدائے برحق کا نہ ٹلنے والا وعدہ نبی امّی (فداہ ابی وامی) کے پاس آپہنچتا ہے اور وہ اس امانتِ الٰہیہ کو اپنی امت کے سپرد کر کے برضا ورغبت سفرِ آخرت اختیار کر لیتا ہے ۔

امت صرف ایک وفات رسول کی مصیبت میں گرفتار نہیں ہے بلکہ نصبِ خلافت کا اہم ترین سوال اس کے سامنے درپیش ہے اور جب اس مرحلہ سے اسکو نجات ملتی ہے تو فوراً مدعیین نبوت سے جنگ کی ایک اور کٹھن منزل اس کے سامنے آجاتی ہے ۔

مصائب شتی جُمِّعت فی مصیبۃٍ ولم یکفھا حتی قفتہا مصائب

حسب بیان حافظ ابن کثیر ۵۰۰ قرا بیک وقت اس جنگ میں شہید ہو جاتے ہیں مگر شیخ بدر الدین عینی عمدۃ القاری میں[1] ان ہر دو کے برخلاف تحریر فرما گئے ہیں۔ جلد یازدہم میں[2] بھی اس اختلاف کی طرف کچھ اشارہ ہے۔ اصحابِ تاریخ اس اختلاف کا جو فیصلہ کریں وہ ان سے پوچھئے۔ ہماری غرض تو اس وقت یہ ہے کہ حفاظ کی اس کثرت سے شہادت کے بعد خیال ہو سکتا تھا کہ شاید قرآنِ کریم کی اس حفاظتِ عامہ میں اب کوئی خلل ضرور واقع ہو گا مگر کسے معلوم تھا کہ جس کلام کی حفاظت کا بار انسانوں کے ضعیف کاندھوں پر نہیں ڈالا گیا تھا قدرت کس راستے سے اس کے تحفظ کا سامان کر رہی ہے۔

ابھی تک جمع قرآن کا مسئلہ کسی کے خواب وخیال میں نہیں ہے۔ ایسے اہم مسائل درپیش ہیں کہ اس طرف توجہ کرنے کا کسے ہوش ہے کہ اچانک اس حادثۂ عظیمہ کے بعد عمر فاروقؓ ایک آیت کی تلاش فرماتے ہیں تو جواب ملتا ہے کہ جی ہاں وہ آیت فلاں صحابی کے پاس موجود تھی مگر وہ جنگِ یمامہ میں شہید ہو چکے ہیں۔ اب ذرا دیکھئے کہ کس طرح تکوین اس مسئلہ کی تحریک فاروقِ اعظمؓ کے قلب میں پیدا کرتی ہے فاروقِ اعظمؓ جو سالہا سال ظلِ نبوت میں تربیت یافتہ رہ چکے تھے فوراً انا اللہ پڑھتے ہیں اور اس فکر میں پڑ جاتے ہیں کہ اگر حفاظ یونہی شہید ہوتے رہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کا نوشتہ قرآن ایک ایک آیت کر کے یونہی تلف ہوتا رہا تو آئندہ بڑی دشواریوں کا سامنا ہو گا لہذا جمع قرآن کا عزم فرما لیتے ہیں۔ (دیکھو فضائل القرآن۔ تفسیر اتقان۔ فتح الباری وغیرہ)

اس روایت کی اسناد میں گو انقطاع ہے مگر حافظ ابنِ کثیر نے اس کو بطرقِ متعدد روایت کیا ہے اس کا ایک جملہ زیادہ تر قابلِ شرح ہے۔

| اول جامع قرآن | وکان عمرؓ اول من جمعہ فی المصحف۔ یعنی پہلے جامع قرآن حضرت عمرؓ تھے حالانکہ روایات صحیحہ سے ثابت ہے کہ قرآنِ کریم کے سب سے پہلے جمع کرنے والے صدیق اکبرؓ ہیں۔ حافظ ابن کثیر حضرت علیؓ

[1] عمدۃ القاری ج ۸ ص ۶۵۸۔ [2] ایضاً ج ۱۱ ص ۱۷۔

سے نا قل ہیں کہ ان ابابکر اول من جمع القرآن بین اللوحین اس کے علاوہ حافظ ابن حجرؒ ایک منقطع اسناد کے ساتھ حضرت علیؓ سے نقل فرماتے ہیں کہ بعد وفات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انھوں نے قسم کھائی تھی کہ جب تک وہ قرآن جمع نہ کرلیں گے اس وقت تک باہر تشریف نہیں لائیں گے۔ اسی لئے جب صدیق اکبرؓ سے عام طور پر بیعت ہورہی تھی تو حضرت علیؓ شرکت نہ کرسکے تھے۔ صدیق اکبرؓ نے دریافت فرمایا کہ اے علیؓ! کیا تم میری بیعت سے ناراض ہو تو جواب میں ارشاد ہوا کہ بخدا میں ناراض نہیں بلکہ میری غیر حاضری کی اصل وجہ یہ تھی کہ لوگ قرآن پڑھنے میں غلطیاں کرتے تھے لہذا میں نے قسم اٹھائی تھی کہ جب تک قرآن جمع نہ کرلونگا اس وقت تک گھر سے باہر نہ نکلوں گا۔[ل۵] اس پر صدیق اکبرؓ نے فرمایا کہ آپ نے جو ارادہ فرمایا انسب تھا۔

شیخ جلال سیوطیؒ نے اس واقعہ کو دوسری اسناد سے بھی روایت کیا ہے۔

(قلت) قد ورد من طریق اخری اخرجہ	عکرمہ سے روایت ہے کہ جب حضرت ابوبکرؓ کی بیعت
ابن الفریس فی فضائل حدثنا بشر بن	کے بعد حضرت علیؓ گھر میں بیٹھ گئے تو حضرت ابوبکرؓ سے
موسیٰ ثنا ھودۃ بن خلیفۃ ثنا عون عن	کہا گیا کہ وہ آپ کی بیعت کو ناپسند کرتے ہیں آپ
محمد بن سیرین عن عکرمۃ قال لما کان بعد	ان کے پاس کوئی قاصد بھیجئے۔ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ
بیعۃ ابی بکر قعد علی بن ابیطالب فی بیتہ	نے پوچھا کیا آپ میری بیعت کو ناپسند کرتے ہیں؟"

ل۵ ناظرین غور فرماویں کہ اگر یہ قرآن اسی لئے جمع کیا گیا تھا کہ لوگ آئندہ غلطیوں سے محفوظ رہیں تو پھر بعد میں وہ قرآن کہاں گیا اور کیوں چھپا لیا گیا۔ شیخین کے عہد میں والعیاذ باللہ اگر قرآن کریم میں قطع و برید ہوگئی تھی تو آخر اپنے دور خلافت میں تو اس قرآن کی اشاعت ہونی چاہئے تھی۔ اس سے پتہ ملتا ہے کہ تحریف قرآن کے مسئلہ میں سوائے اتہامات کے اور کچھ نہیں ہے علاوہ ازیں ابن کثیر فرماتے ہیں کہ یہاں جمع سے مراد حفظ قرآن ہے کیونکہ ان کے قلم کا لکھا ہوا قرآن صرف ایک بتلایا جاتا ہے جس کے اوپر کتبہ علی بن ابو طالب لکھا ہوا ہے۔ ظاہر ہے کہ قواعد کے لحاظ سے یہ صریح غلط ہے اس لئے حضرت علیؓ جیسے بلیغ کی طرف اس کا انتساب کیونکر صحیح ہوسکتا ہے۔

فقیل لابی بکر قد کرہ بیعتک فارسل الیہ　　حضرت علیؓ نے فرمایا نہیں قسم اللہ کی پھر ان سے پوچھا تو
فقال اکرهت بیعتی قال لا واللہ قال ما　　آپ مجھ سے الگ ہو کر گھر میں کیوں بیٹھ رہے؟ فرمایا میں نے
اقعدك عنی قال رأیت کتاب اللہ یزاد فیه[51]　　قرآن کو دیکھا کہ اس میں زیادتی کی جاتی ہے تو میں نے اپنے
فحدثت نفسی ان لا البس ردائی الا للصلوٰة　　دل میں فیصلہ کر لیا کہ میں سوائے نماز کے اپنی چادر اس وقت
حتی اجمعه قال له ابو بکر فانك نعم ما رأیت[52]　　تک نہیں اوڑھوں گا جب تک کہ قرآن کو جمع نہ کر لوں۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا بے شبہ آپ کی رائے بہت صائب و درست تھی۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے جامع شاید حضرت علیؓ تھے۔ ان روایات کے علاوہ ایک اور روایت تفسیر اتقان میں ہے کہ اول من جمع القرآن فی مصحف سالم مولی ابی حذیفہ[53] یعنی پہلے جامع قرآن حضرت سالم تھے۔ شیخ جلال سیوطی اس روایت کی جوابدہی کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

اسنادہ منقطع وهو محمول علی انه کان　　یعنی چونکہ صدیق اکبرؓ کے امر سے جمع کرنیوالوں میں
احد الجامعین بامر ابی بکرؓ۔　　یہ بھی تھے اس لئے ان کو اول جامع کہہ دیا گیا ہے۔

صاحب روح المعانی نے شیخ جلال کے اس جواب پر سخت نقد کیا ہے وہ فرماتے ہیں " یہ ایک ایسی لغزش ہے کہ اس کے مرتکب کو معاف نہیں کیا جا سکتا "
وجہ یہ ہے کہ حضرت سالمؓ جنگ یمامہ میں شہید ہو چکے تھے اور صدیق اکبرؓ نے جمع قرآن بعد

---

۵۱ عجیب بات ہے کہ حضرت علیؓ نے لوگوں کی جو غلطیاں بیان فرمائی ہیں اس میں حسب الاتفاق زیادت کی غلطی ذکر فرمائی ہے نقصان کا لفظ اس جگہ کور نہیں حالانکہ مناسب تو یہ تھا کہ نقصان کا شکوہ کیا جاتا۔ کیونکہ خصوم کو زیادہ گلہ اسی کا ہے کہ قرآن میں آیات خلافت حذف کر دی گئی ہیں والعیاذ باللہ۔ پھر جیسا کچھ بھی تھا مگر حضرت ابوبکر صدیقؓ کا ان کی رائے کی تصویب فرمانا اور نعم ما رأیت کہنا کس صفائی سے بتلا رہا ہے کہ دونوں حضرات کس قدر صاف سینہ اور ایک دوسرے سے مطمئن تھے۔ ایک کو دوسرے کے متعلق کوئی شبہ نہیں تھا وہ ان کی خلافت تسلیم کرتے ہیں یا ان کے اس عذر کو معقول سمجھتے ہیں رہا جمع قرآن تو وہ ابھی تک کچھ اہمیت ہی نہیں رکھتا تھا۔

۵۲ اتقان ج ۱ ص ۵۱۔ ۵۳ ایضاً ج ۱ ص ۵۹

اختتام جنگ شروع فرمایا ہے پھر جامعین قرآن میں ان کا نام لینا کیونکر صحیح ہوسکتا ہے. علامہ آلوسی کا نقد بظاہر درست معلوم ہوتا ہے مگر ہمارے نزدیک ان سب روایات میں کوئی اختلاف ہی نہیں ہے اور نہ کوئی اشکال کی وجہ ہے ظاہر ہے کہ لفظ جمع ایک مبہم لفظ ہے کیونکہ نفسِ جمع میں اس وقت ہمارا کلام نہیں ہے ممکن ہی نہیں بلکہ روایات سے ثابت ہے کہ عہد نبوت میں بھی قرآن جمع کیا گیا تھا اور کسی ایک فرد نے نہیں بلکہ نہ معلوم کتنے افراد نے جمع کیا ہوگا. سوال یہ ہے کہ سرکاری انتظام کے ماتحت اجتماعی رنگ میں قرآن کب اور کس وقت جمع ہوا شخصی اور انفرادی جمع اگر کسی نے اپنی ذات کے لئے کرلیا ہو تو اس کا انکار نہیں ہے. حضرت علیؓ کے قرآن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ انھوں نے ناسخ و منسوخ کے لحاظ سے جمع فرمایا تھا. ابن سیرینؒ جو کبار تابعین میں سے ہیں فرماتے ہیں کہ میں نے اس کی بہت تلاش کی مگر مجھے دستیاب نہ ہوسکا۔

بہرحال متفرق طور پر جمع قرآن کی شہادت متفرق اشخاص کے متعلق ضرور ملتی ہیں. مگر وہ اسی قسم کا جمع تھا جو ہر شخص اپنے خصوصی مقاصد کے پیش نظر کرلیا کرتا ہے جیسا کہ آج بھی پنجسورہ وغیرہ وظائف کے لئے ملتے ہیں. مگر جمع قرآن کی جس نوعیت سے ہماری بحث ہے باوجود تلاش کے ہمیں کوئی روایت ایسی دستیاب نہیں ہوسکی جس سے جامع قرآن صدیق اکبرؓ کے سوا کوئی دوسرا شخص ثابت ہوسکا ہو حضرت عمرؓ کو جہاں جامع قرآن کہا گیا ہے وہ صرف اس لحاظ سے کہ جمع قرآن کے اصل محرک یہی ہوئے ہیں اور آئندہ بھی جمع کی خدمت بامر صدیق اکبرؓ ان ہی کے سپرد کی گئی ہے جس کی تفصیل آپ کے ملاحظہ سے ابھی گذریگی. جہاں تک ہمارا خیال ہے حضرت شاہ ولی اللہؒ نے بھی جمع قرآن کو مناقب عمرؓ میں شمار فرمایا ہے وہ بھی صرف اسی لئے ہے جو وجہ ہم نے اوپر ذکر کی چنانچہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کی زبانِ مبارک سے

سلہ اس جگہ حضرت علیؓ کے قرآن کی جو خصوصیت بتائی گئی ہے اس میں مسئلہ متنازع فیہا کا کوئی ذکر نہیں ہے یہ سب خصوم کی حاشیہ آرائیاں ہیں اور بس۔

حافظ ابنِ کثیر نے نقل کیا ہے۔

ان اعظم الناس أجرا فی المصاحف ابوبکران ابا بکر اول من جمع القرآن واسنادہ صحیح۔

مصاحف کے بارہ میں سب لوگوں سے زیادہ اجر حضرت ابوبکرؓ کو ملیگا۔ بے شبہ حضرت ابوبکرؓ پہلے بزرگ ہیں جنھوں نے قرآن مجید کو جمع کیا۔

بلا شبہ جس کے دورِ حکومت کی جو خدمت ہوتی ہے چونکہ اس کا انصرام اسی کے زیرِ قیادت ہوا کرتا ہے لہذا وہ اسی کی شمار ہوگی اس لئے جمع قرآن کا سہرا حسب بیان حضرت علیؓ صدیقِ اکبرؓ ہی کے سر رہیگا۔ اس تحریک کے بعد جو فاروقِ اعظمؓ کے قلب میں سب سے اول پیدا ہوئی جو اس کا عملی نقشہ تیار ہوا وہ روایت ذیل سے واضح ہوگا۔ امام بخاریؒ حضرت زید بن ثابتؓ سے روایت فرماتے ہیں کہ جنگِ یمامہ[۵۱] میں حضرت صدیق اکبرؓ نے ایک شخص میرے پاس بھیجا۔ میں جب حاضر ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت عمرؓ بھی وہاں موجود ہیں۔ صدیقِ اکبرؓ نے گفتگو شروع کی اور فرمایا کہ یہ حضرت عمرؓ میرے پاس آئے تھے اور حفاظ کی شہادت کی گرما گرمی دیکھکر یہ خیال ظاہر کرتے ہیں کہ اگر اسی طرح آئندہ غزوات میں حفاظ شہید ہوتے رہے تو بہت سی قرآن کا ہاتھوں سے جاتے رہنے کا خطرہ ہے لہذا رائے یہ ہے کہ قرآن ایک جگہ جمع کر لیا جائے اس پر مجھے یہ خیال رہا کہ جو کام عہدِ رسالت میں نہ ہوا اسے ہم کیونکر کریں۔ بڑی گفت و شنید کے بعد میرے قلب میں بھی یہ رائے صواب معلوم ہوئی لہذا اب میری رائے بھی یہی ہے کہ اس کام کو کر لینا چاہئے۔ اے زید تم ماشاء اللہ نوجوان ہو[۵۲]

---

۵۱ حسب بیان شیخ بدرالدین عینی یہ جنگ ۱۱ھ میں ہوئی ہے۔ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ اس میں مرتدین کا لشکر تقریباً ایک لاکھ تھا جن کے مقابلہ کے لئے صدیق اکبرؓ نے ۱۳۰۰۰ سپاہی زیرِ قیادت حضرت خالد بن ولید روانہ فرمائے تھے کچھ شکست کے بعد آخر کار میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔ شیخ عینی فرماتے ہیں کہ یمامہ یمن کے ایک شہر کا نام ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ یمامہ ایک حدید البصر عورت کا نام تھا ملک حمیر نے جب اُسے قتل کیا تو اُس شہر کا نام اسی کے نام پر رکھدیا۔

۵۲ زید بن ثابت کی عمر بوقت ہجرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم گیارہ سال تھی۔ لہذ خلافتِ صدیقی میں اس وقت ان کی عمر ۲۵ سال سے کم ہوئی۔ ملاحظہ ہو عمدۃ القاری ج ۸ ص ۶۵۸۔

سمجھدار ہو، دیانتدار ہو، بڑی بات یہ ہے کہ خود عہدِ رسالت میں کاتبِ وحی رہ چکے ہو اسلئے اس کام کے لئے تم سے زیادہ موزوں شخص اور کون ہوگا۔ لہذا تم ہی اس خدمت کو انجام دو۔ مگر مجھے بھی یہ خدمت اسی خیال سے جو صدیق اکبرؓ کو پیدا ہوا تھا پہاڑ اٹھانے سے زیادہ مشکل معلوم ہوئی۔ لہذا میں نے عرض کیا کہ جو کام خود حضرت رسالت نے نہیں کیا وہ ہم کیسے کر سکتے ہیں۔ بہر حال بڑی بحث و تمحیص کے بعد میرے قلب نے بھی اس رائے کی تصویب کی اور یہی خیال ہوگیا کہ اس وقت قرآنِ کریم کا جمع کر لینا ہی مصلحت ہوگا آخر اس خدمت کو میں نے قبول کیا اور جو آیت جہاں مل سکی اس کو شاخوں اور ہڈیوں وغیرہ سے جمع کرنا شروع کردیا۔ حتیٰ کہ سورہ توبہ کی یہ آیت لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ سے لیکر آخر سورت تک مجھے صرف ابو خزیمہ انصاری کے پاس مل سکی۔

امام بخاری کی یہ روایت ہر چند کہ بہت واضح ہے تاہم مزید ایضاح کے لئے ہم کچھ تفصیل کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔

(۱) جمع قرآن کی یہ تاریخ پڑھکر جس نتیجہ پر ہم پہنچ سکتے ہیں وہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے قلب میں پہلے سے جمع قرآن کی کوئی اسکیم موجود نہیں تھی۔ رہ گئے صدیق اکبرؓ وہ تو اس تجویز سے اس قدر خالی الذہن تھے کہ بڑی بحث کے بعد اس رائے سے اتفاق کر سکے ہیں۔ اسی طرح تیسرے رکن زید بن ثابت بھی بلا کسی پہلی اطلاع کے فوری طور پر بلائے گئے تھے اور بجائے کسی حتمی حکم کے مجلس مشاورت میں شریک کئے گئے تھے۔

(۲) حضرت عمر فاروقؓ جو اس مجلس کے سب سے سرگرم ممبر تھے اس خیال کو عملی جامہ پہنانے کے لئے کوئی پرائیویٹ تجویز نہیں کرتے بلکہ معاملہ خلافت کے سپردگی میں دیدینا چاہتے ہیں۔

(۳) خلیفہ اور پھر حضرت زیدؓ اس معاملہ کو صرف بپاسِ خاطر حضرت عمرؓ تسلیم نہیں کرتے بلکہ بہت ردو کد کے بعد اس رائے سے اتفاق کر لیتے ہیں۔

(۴) جو امر کہ صدیقِ اکبرؓ اور حضرت زید کے دلوں میں کھٹک رہا ہے وہ صرف یہ ہے کہ جو کام

عہدِ نبوت میں نہیں ہوا اُسے ہم کیونکر انجام دیں۔ اس بیان سے اس جذبہ کا پتہ چلتا ہے جو صحابہ کے قلوب میں عمومی طور پر حفظِ قرآن کے متعلق موجزن تھا۔ یعنی ابھی صرف سوال ان منتشر نوشتوں کے جمع کرنے کا ہے جو عہدِ نبوت میں تحریر کئے جا چکے تھے مگر یہاں قلوب اس تغیر کے لئے بھی آمادہ نہیں ہیں کہ جو قرآن عہدِ نبوت میں بشکل صحف منتشرہ موجود تھا اس کو بعد میں نقل کر کے یکجا جمع ہی کر لیں۔ لفظی یا معنوی ترمیم سے تو ان کا تعلق ہی کیا ہو سکتا ہے۔ جو ہستی جمع قرآن کی محرک ہے اس کی نظر اس طرف ہے کہ یکجائی جمع کی صورت ہی میں چونکہ حفظِ قرآن بسہولت ممکن ہے اس لئے گو بظاہر اس میں ذرا اس حالت کی مخالفت ہی مگر بباطن اسی کی تائید ہے۔ خطابی فرماتے ہیں کہ جمع قرآن عہدِ نبوت میں اس لئے مقدر نہیں ہوا کہ ناسخ و منسوخ کا سلسلہ جاری تھا۔ ترتیب طبعی یہی ہے کہ جب ایک شے مکمل ہو جاتی ہے تو اس کے بعد ہی اس کی ترتیب مناسب ہوتی ہے۔ عملاً ترتیب تعامل سے سب کو معلوم ہی تھی اب اسی عملی ترتیب کے مطابق جمع کا سوال آتا ہے تو طبائع یکایک اس سے بھی احتراز کرتی ہیں۔ مگر ظاہر ہے کہ طبعی انحراف عقلی اقتضار کا کیا مقابلہ کرتا اس لئے فوراً بات سمجھ میں آ گئی کہ منتشر صحف کو ایک جگہ جمع کر دینا گو نیا کام سہی مگر مرضی شارع کے مطابق ہے انا علینا جمعہ وقرآنہ کے لفظ بتا رہے ہیں کہ جمع قرآن عین مرضیِ حق ہے پہلے جمع صدر ہوا اب جمع صحف ہے۔ رہی کتابت تو خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے سامنے ہو چکی تھی۔ کچھ حضرات نے اس وقت بھی اپنے اپنے لئے قرآن لکھ لئے تھے جن کے متعلق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت دی تھی کہ جنگ وغیرہ میں ساتھ نہ رکھا جائے مبادا دشمن خلافِ احترام کوئی حرکت کر بیٹھے۔ بہرحال بات تو کچھ نہ تھی صرف ایک جدید تجویز قرآنِ کریم کے متعلق سامنے آئی متدین طبائع طبعاً جدھر پہلے جا سکتی ہیں ادھر گئیں آخر عقلاً جو کام اس وقت مناسب تھا اس پر اتفاق ہوا اور اسی کو شرعاً مصلحت تصور کیا گیا۔ کتاب فضائل القرآن ص ۱۲ میں یہاں ایک اور لفظ مروی ہے لما استحر القتل بالقراء یومئذ فرق ابوبکرؓ ان یضیع فقال لعمر بن الخطاب ولزید بن ثابت الخ

اسی طرح مغازی موسیٰ بن عقبہ میں ہے۔ قال لما اصیب المسلمون بالیمامۃ فزع ابوبکر وخاف ان یذھب من القرآن طائفۃ الخ۔ [1]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ضیاع قرآن کا خطرہ جنگ یمامہ کے بعد حضرت ابوبکرؓ کے قلب میں پیدا ہوا تھا ممکن ہے کہ ہر دو کے قلب میں پیدا ہوا ہو مگر جمع کی تحریک حضرت عمرؓ ہی نے کی ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جو خطرہ عمرؓ کو تھا چونکہ آخر میں وہی ابوبکرؓ کو پیدا ہو گیا تھا اس لئے راوی نے درمیانی مراحل کو حذف کر کے مشترک نقطہ کو بیان کر دیا ہو۔ بہرحال جب اس رائے پر اتفاق ہو گیا تو اب انتظام یہ قرار پایا کہ حضرت عمرؓ اور حضرت زیدؓ ہر دو حضرات قرآن جمع کریں اور جو شخص کوئی آیۃ لیکر آوے اس پر دو گواہ طلب کر لیں۔ [2] علامہ سیوطیؒ روایت فرماتے ہیں۔

ان ابابکر قال لعمر و زید اقعدا علی	صدیق اکبرؓ نے حضرت عمرؓ اور حضرت زیدؓ کو حکم
باب المسجد فمن جاء کما بشاھدین	فرمایا کہ تم دونوں مسجد کے دروازے پر جا بیٹھو اور
علی شئی من کتاب اللہ فاکتباہ	جو شخص تمہارے سامنے کوئی آیت قرآنی لائے اگر
رجالہ ثقات مع انقطاع۔ [3]	اس پر دو گواہ پیش کرے تو اُسے لکھ لو۔

فتح الباری میں [4] ہے۔ قال قام عمر فقال من کان تلقی من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شیئاً من القرآن فلیات بہ الخ حافظ فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ صرف اسی پر کفایت نہ کی جاتی تھی کہ کوئی شخص لکھا ہوا قرآن لے آئے بلکہ ساتھ ہی اس بات کی بھی ضرورت تھی کہ وہ یہ گواہی بھی دے کہ اُس نے خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح سنا بھی ہے۔ ظاہر ہے کہ حفاظ اس وقت موجود تھے۔ اور خود حضرت زید ہی کیا کم تھے جو دورِ نبوت کے کاتب اور حافظ بھی تھے مگر احتیاط اور انتظام اسی کو مقتضی تھا کہ جس طرح ہر دعوی کے لئے دو گواہ کی ضرورت ہوتی ہے اسی طور پر ہر آیت کے ساتھ دو گواہ بھی طلب

---

[1] اتقان ج ۱ ص ۶۰ [2] فضائل القرآن ص ۱۳۔ [3] اتقان ج ۱ ص ۶۰ و فتح الباری ج ۹ ص ۱۲ [4] ج ۹ ص ۱۳۔

کر لئے جائیں۔ یہ دو گواہ کس بات کے لئے تھے حافظ ابن حجرؒ نے اس میں کئی احتمال لکھے ہیں مگر جو صاحب روح المعانی نے اختیار فرمایا ہے وہ اظہر ہے۔

ولعل الغرض من الشاهدين	غالباً شاہدین سے غرض یہ تھی کہ اس بات کی گواہی دیں کہ
ان يشهدا على ان ذلك كتب بين	یہ آیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کی نوشتہ ہے
يدى الرسول صلى الله عليه وسلم	یا یہ کہ اس کا دور سنہ وفات میں کیا گیا تھا کیونکہ جو
او على انه مما عرض عليه صلى الله	کچھ عرضہ اخیرہ میں باقی رہ گیا تھا اسی کو محکم اور غیر منسوخ
عليه وسلم عام وفاته۔ ۔ ۔ [۱]	سمجھا جا سکتا ہے۔

اسی قول کو سخاوی نے جمال القرآن میں اختیار کیا ہے۔ شیخ جلال الدین سیوطیؒ نے یہاں ایک روایت اور نقل کی ہے۔

وان عمر أتى بآية الرجم فلم	یعنی حضرت عمرؓ بھی جیسے اور اشخاص آیات لاتے تھے آیت رجم لائے مگر
يكتبها لانه كان وحده	وہ قرآن میں نہ لکھی گئی کیونکہ ان کے پاس کوئی دوسرا گواہ نہ تھا۔

اس روایت میں اشکال یہ ہے کہ یہ آیت منسوخ التلاوت باقی الحکم ہے یعنی اس کی تلاوت منسوخ ہے مگر اس کا حکم باقی ہے چونکہ اس کی گفت و شنید ایک مرتبہ خود براہِ راست صاحبِ نبوت سے ہو چکی ہے لہذا بعد میں پھر حضرت عمرؓ کا اس آیت کو لیکر آنا سمجھ میں نہیں آتا۔

علامہ سیوطیؒ نے بروایت حاکم نقل کیا ہے فقال عمر لما نزلت أتيت النبي صلى الله عليه وسلم فقلت اكتبها فكانه كره ذلك یعنی حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت اتری تو میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے عرض کیا کہ اسے لکھوا دیجئے مگر میری یہ عرضداشت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند نہ آئی۔ لہذا جب اس آیت کا معاملہ اس وقت ہی صاف ہو چکا تھا تو اب بعد میں پھر ان کا آیت رجم

---

[۱] روح المعانی ص ۱۹۔ [۲] اتقان ج ا ص ۶۰۔

لیکر آنا بظاہر قرین قیاس نہیں ہے۔

رہ گئی یہ بحث کہ جب حکم باقی ہے تو تلاوت منسوخ ہونے میں کیا نکتہ ہے۔ ایک بسیط بحث ہے مگر امام سیوطیؒ نے یہاں آیتِ رجم کے متعلق ایک نہایت لطیف بات لکھی ہے اسے ہم ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں

(قلت) وقد خطر لي في ذلك نكتة حسنة وهو ان سببه التخفيف على الامة بعدم اشتهار تلاوتها وكتابتها في المصحف وان كان حكمها باقيا لانه أثقل الاحكام أشدها واغلظ الحدود وفيه الاشارة الى ندب الستر۔ ؎۱

آیت رجم باوجودیکہ اس کا حکم باقی ہے مگر اس کی تلاوت منسوخ ہونے میں نکتہ یہ ہے کہ رجم شدید ترین احکام اور سخت ترین حدود میں سے ہے لہذا اس کی تلاوت منسوخ ہونے سے مطلب یہ ہے کہ زیادہ شہرت نہ پائے تاکہ امت پر تخفیف رہے اور اس میں اشارہ ادھر بھی ہے کہ حدود میں حتی الوسع ستر مناسب ہے۔

ہمارے اس مذکورہ بالا بیان سے یہ ظاہر ہے کہ جو قرآنِ کریم کی خدمت عہدِ صدیقی میں ہوئی ہے وہ صرف اسیقدر نہ تھی کہ پہلے لکھے ہوئے نوشتے ایک جگہ جمع کردیے گئے تھے بلکہ ان کی ایک نقل بھی لے لی جاتی تھی جیسا کہ کتابت کے امر سے واضح ہے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں۔ ؎۲

وفي موطا ابن وهب عن مالك عن ابن شهاب عن سالم بن عبد الله بن عمر قال جمع ابوبكر القرآن في قراطيس ... الخ

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ صدیق اکبرؓ نے قرآن کاغذات میں جمع کیا تھا۔

پھر لکھتے ہیں کہ

انما كان في الاديم والعسب اولا قبل ان يجمع في عهد ابي بكر ثم

چمڑے کے ٹکڑوں یا شاخوں پر قرآن جمع ہونا عہد صدیقی سے پہلے کا واقعہ تھا جب زمانہ صدیق اکبرؓ

؎۱ اتقان ج ۲ ص ۲۶۔ ؎۲ فتح الباری ج ۹ ص ۱۲۔

جمع فی الصحف فی عهد ابی بکرؓ کما	کا آیا تو انھوں نے قرآن اوراق میں جمع فرما دیا تھا
دلت علیه الاخبار الصحیحة المترادفة	جیسا کہ اخبار صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے۔

حارث محاسبی اس کی تشریح فرماتے ہیں کہ

قال الحارث المحاسبی فی کتاب فهم السنن	حارث محاسبی فرماتے ہیں کہ کتابت قرآن کوئی نئی
کتابة القرآن لیست بمحدثة فانه صلی الله	شے نہیں ہے بلکہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے
علیه وسلم کان یامر بکتابته ولکنه کان مفرقا	بھی کتابت قرآن کا امر فرمایا تھا مگر وہ عہد
فی الرقاع والاکتاف والعسب فانما امر	صدیق اکبرؓ سے قبل متفرق طور پر موجود تھا۔
الصدیق بنسخها من مکان الی مکان	صدیق اکبرؓ نے اس متفرق شکل سے ایک جگہ منتقل
مجتمعا وکان ذلک بمنزلة اوراق وجدت	کرنے کا امر فرمایا اس کی مثال یوں سمجھ لیجئے کہ گویا
فی بیت رسول الله صلی الله علیه وسلم فیها	قرآن کریم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیت ہی میں
القرآن منتشر فجمعها جامع وربطها	متفرق طور پر موجود تھا ایک جامع نے اس کو یکجا
بخیط حتی لا یضیع منها شیٔ ؎۱	جمع کر دیا ہے اور ان منتشر اجزاء کو ایک تاگہ میں پرو دیا

حارث محاسبی کے اس بیان سے اس کا جواب بھی نکل آیا کہ جب قرآن کریم عہد نبوت میں جمع نہیں کیا گیا تھا تو پھر شیخین کا جمع کرنا کیا بدعت کہا جا سکتا ہے اور یہ بھی ثابت ہو گیا کہ صدیق اکبرؓ کے عہد میں مستقلاً پھر قرآن کریم کی کتابت ہوئی تھی مگر وہ اجزاء بشکل صحف ہی تھے مصحف تیار نہیں کیا گیا تھا۔ اس کی مزید تفصیل آپ کے ملاحظہ سے آئندہ گزرے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

بہر حال مسجد کے سامنے ایک پبلک جگہ پر بیٹھکر سرکاری طور پر علی الاعلان قرآن کریم جمع کیا جا رہا ہے اس سے صاف پتہ لگتا ہے کہ ان حضرات کی نیتیں بالکل پاک و صاف تھیں۔ خدا نہ کردہ اگر خلیفہ اول کے

؎۱ اتقان ج ۱ ص ۶۰۔

نسبت کوئی وسوسہ کیا جائے تو یہ اس لئے غلط ہوگا کہ اولاً تو خود وہ اس جمع کے محرک تھے۔ اور اگر والعیاذ باللہ اس طرف ان کا کوئی خیال ہوتا تو پھر مسئلہ خلافت کے طے ہونے کے بعد سب سے اول اسی سوال کو اٹھایا جاتا اور ہرگز کبھی عام صورت میں دوسروں کی وساطت سے اس خدمت کو انجام نہ دیا جاتا بلکہ اندرونی طور پر ایک قرآن جمع کر کے سب کو مجبوراً اسی کی تلاوت کا پابند کر دیا جاتا اور جس طرح کہ مدعیین نبوت کو بزور شمشیر فنا کر دیا گیا تھا یہاں بھی جو ذرا اختلاف سر اٹھاتا اس کی سرکوبی کی سعی تو کی جاتی پھر ایسا ہو بھی جاتا یا نہیں یہ بعد کا مرحلہ تھا۔ مگر تاریخ بہت زور کے ساتھ اس کی تردید کرتی ہے اور ہرگز کوئی حرف ایسا پیش نہیں کیا جا سکتا جس سے خلیفہ اول کا کوئی جبر و تشدد اس مسئلہ میں ثابت ہو سکتا ہو بلکہ عجیب تر یہ کہ اس وقت یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ لوگ کونسا قرآن پڑھیں۔ سوال صرف یہ تھا کہ قبل اس کے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کا لکھا ہوا قرآن مفقود ہو جائے۔ اس کی ایک نقل صحابہؓ کے مجمع میں لیلی جائے تاکہ شخصی یادداشتوں کے فنا ہونے سے قبل سرکاری انتظام کے ماتحت ایک ایسا قرآن تیار ہو جائے جس کی طرف بوقت ضرورت مراجعت کی جا سکے اور اگر بالفرض کسی آفت کے باعث کسی صحابی کے پاس کوئی آیت تحریر شدہ دستیاب نہ ہو سکے تو اس قرآن کے ذریعے سے جو اسی زمانہ کے قرآن کا ایک نقل ہوگا اس آیت کو پورے وثوق کے ساتھ حاصل کیا جا سکے۔

رہے حضرت عمرؓ تو ان کے پاس برأت کی شہادت اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتی ہے کہ اس مسئلہ کو انھوں نے عین اس وقت چھیڑا ہے جبکہ حفاظ عام طور پر موجود تھے۔ بفرض محال اگر ان کی نیت کچھ اور ہوتی تو مصلحت کا اقتضا یہ تھا کہ اس وقت کو آنے دیا جاتا جبکہ ایک ایک کر کے زمانۂ نبوت کے حفاظ ختم ہو جاتے اور ان کے اپنے اپنے نوشتے سب مفقود ہو جاتے پھر اطمینان کے ساتھ حسب منشا ایک قرآن مرتب کر لیا جاتا اس وقت پھر ایسا کون ہوتا جو ان حذف شدہ عبارات کی اصلاح کر سکتا مگر یہاں اس کے بالکل برعکس اسی پر اصرار تھا کہ حفاظ کے عام مجمع میں جلد از جلد قرآن

ایک جگہ جمع ہو جائے اور بس۔ ابھی اس کا مشورہ تک نہیں ہے کہ عام طور پر کس قرآن کی تلاوت کی جائے بلکہ ہر شخص اپنی جگہ مختار ہے کہ جس طرح جو قرآن وہ زمانۂ نبوت میں تلاوت کیا کرتا تھا اسی طرح تلاوت کرتا رہے۔ اسی لئے اس وقت کوئی قرآن مسلمانوں میں شائع نہیں کیا گیا بلکہ صرف اسی قدر ہوا کہ ایک نقل لیکر محفوظ کر لی گئی اس لئے بداہتہً عقلِ سلیم یہ تسلیم کر لینے پر مجبور ہے کہ جمع قرآن کا مسئلہ ہرگز کسی بدنیتی سے نہیں ہوا بلکہ ہر دور میں ضرورتوں کے تدریجی احساس نے تدریجاً اہلِ اسلام کو اس طرف متوجہ کیا ہے اسلامی تاریخ ان متعصبین پر ہمیشہ نوحہ کرتی رہیگی کہ جو اس کے زریں ترین اوراق تھے وہی ان کی نظروں میں بدنما داغ ہیں کوئی ملت اور کوئی مذہب اپنی آسمانی کتاب کے تحفظ کی عملی تشکیل اس اطمینان بخش طریق پر نہیں پیش کر سکتی جیسا کہ ہمارے سامنے جمع قرآن کا مسئلہ ہے مگر تعصب کا کیا علاج؟ کہ جو سامانِ تحفظ تھے اسی کو سامانِ تحریف سمجھ لیا گیا۔

ظلم کی حد ہو گئی ہے آخر انصاف کیجئے کہ اگر اس وقت قرآن جمع ہو گیا تو کیا غضب ہوا کیا قرآن جمع نہ کیا جاتا اور وہ وقت آجانے دیا جاتا جبکہ یہود و نصاریٰ کی طرح یہ امت بھی اپنی کتاب میں اختلاف کرتی نظر آتی۔ یا ظلم یہ ہوا کہ ایسے وقت قرآن کیوں جمع ہو گیا کہ اب کسی بوالہوس کو بھی اپنے خواہشات کے لئے کوئی گنجائش نظر نہیں آتی۔

لمثل ھذا یذوب القلب من کمد ان کان فی القلب اسلام و ایمانٌ

کیا اس پاک تجویز اور بے لوث طرزِ عمل کے بعد بھی کسی کو مجال اعتراض باقی رہ سکتی ہے کلا کلا

چلئے مان لیجئے کہ عہد صدیقی میں چونکہ خلافت کی طاقت حضرت عمرؓ کے پاس نہ تھی اس لئے ممکن ہے حسب منشاء اس وقت کچھ حذف و زیادات نہ ہو سکی ہوں مگر اس وقت کیا مانع تھا جبکہ بہت تھوڑی سی مدت بعد مسندِ خلافت حضرت عمرؓ کے لئے خالی ہو چکی تھی۔ اس مقدس ہستی کی برأت کا یہ دوسرا موقعہ ہے کہ جب خود اپنی خلافت کا زمانہ آتا ہے تو یہاں جمع قرآن کا سوال تک پیدا نہیں ہوتا۔

میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ ہماری تاریخ قدم قدم پر یہی بتاتی ہے کہ کسی دور میں مسلمانوں نے عام یا خاص طور پر جمع قرآن کی طرف عمداً توجہ نہیں کی بلکہ واقعات کی رفتار نے آہستہ آہستہ ان کو اس طرف متوجہ کیا ہے۔ عہد فاروقِ اعظمؓ اسلام کا نہایت پرسکون دور تھا اطمینان کی قابلِ رشک گھڑیاں نصیب تھیں ضیاعِ قرآن کا وسوسہ تک دماغوں میں نہ گذر سکتا تھا اس وقت اذہان بھلا جمع و ترتیب کی طرف متوجہ ہوتے تو کیسے ہوتے۔

ابھی ہم نے اپنے بیان کا صرف ایک رخ آپ کے سامنے رکھا ہے اب آپ اس کا دوسرا رخ بھی دیکھیں اور اس پر ذرا غور کریں کہ اگر حضرات شیخین بفرض محال کوئی ادنیٰ ترمیم کرنے کا قصد کرتے بھی تو کیا اس عہد کے مسلمان اسے برداشت کر لے سکتے تھے۔ اسلام کا تیرہ ہزار کا لشکر مسیلمہ کذاب کے ایک لاکھ فوج کو شکست دیسکتا ہے اس لئے کہ وہ خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دوسرے مدعی نبوت کو نہیں دیکھ سکتا۔ مگر اس کی غیرت کہاں چلی جاتی جبکہ اس کے نبی کی عزیز ترین پونجی اس کی آنکھوں کے سامنے لٹ رہی ہوتی اور اس کے خون میں کوئی حرکت نہ ہوتی۔ حضرت عمرؓ جیسا شخص اور وہ بھی اپنے دورِ خلافت میں یہ سوچتا ہے کہ رجم کا حکم تو باقی ہے مگر آیتِ رجم قرآن میں کہیں لکھی نہیں گئی ایسا نہ ہو کہ آئندہ چلکر لوگ سرے سے اس کے منکر ہی ہو جائیں اور رجم کی یہ سنت ہی جاتی رہے۔ رجم کی آیت یاد ہے دل چاہتا ہے کہ اس کے ابقار کی کوئی صورت نکالیں مگر اتنی مجال نہیں ہے کہ قرآن شریف کے کہیں حاشیہ ہی پر آیت رجم کو لکھدیں حالانکہ وہ بھی قرآن کی ایک آیت ہی ہے گو منسوخ التلاوت ہی مگر نہیں کر سکے اور فرماتے ہیں کہ

لولا ان یقول الناس زاد عمر فی کتاب اللہ لکتبتہا — اگر اس کا خطرہ نہ ہوتا کہ لوگ یہ کہیں گے عمرؓ نے کتاب میں زیادتی کر دی تو میں آیت رجم کو لکھدیتا۔

آپ کو یہ شبہ نہ گذرے کہ اگر آیتِ رجم قرآن کی درحقیقت کوئی آیت تھی تو فاروقِ اعظمؓ نے محض لوگوں کے خوف سے اسے لکھا کیوں نہیں ورنہ غیرِ قرآن کے لکھنے کے عزم کے کیا معنی۔ فتح الباری

اور روح المعانی دیکھنے سے پتہ لگتا ہے کہ روایت کے آخر میں لکتبتھا فی اخر القرآن اور فی ھامش القرآن کے لفظ اور ہیں یعنی قرآن کے حاشیہ پر کہیں لکھدیتا لہذا یہ سوال ہی وارد نہیں ہوتا۔ شیخ جلال الدین سیوطی رح نے اس کے جواب میں بہت کچھ لکھا ہے مگر امام العصر حضرت سید محمد انور شاہ قدس سرہ کا یہ مختصر جواب جسقدر شافی ہے اس کے بعد ہمیں کسی تطویل کی ضرورت نہیں ہے۔

ایک مفکر دماغ کے لئے یہ اتفاق بھی قابل غور ہے کہ جب پہلی بار عہد صدیقی میں جمع قرآن کا مسئلہ شروع ہوتا ہے تو اس کے محرک خلیفۂ وقت نہیں ہیں بلکہ حضرت عمرؓ ہیں اور جب دوسری مرتبہ پھر خلافت عثمانی میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے تو یہاں بھی حضرت عثمانؓ خود محرک نہیں بلکہ حضرت حذیفہ ہیں۔ رہے عمرؓ تو ان کے عہد خلافت میں یہ سوال ہی نہیں پیدا ہوتا اور نہ اس معاملہ میں کسی جدید انتظام کا کوئی تذکرہ ملتا ہے جب خلافت رابعہ کا دور آتا ہے تو اس زمانہ میں پھر اسی قرآن کی تلاوت نظر آتی ہے جو ان سے پیش رو خلفا کے عہد میں مرتب ہو چکا تھا بلکہ خود مساجد و منابر میں حضرت علیؓ اسی کو تلاوت فرماتے ہیں۔ اس قدرتی اتفاق سے بداہۃً یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ جمع قرآن کا مسئلہ کبھی کسی خفیہ سازش کے ماتحت نہیں ہوا اور نہ اس میں کسی کا کوئی ذاتی مقصد تھا نہ ہو سکتا ہے بلکہ حفاظت قرآن کی ایک مشترکہ ذمہ داری جو مسلمانوں پر یکساں عائد تھی اسی کا انجام دینا سب کا واحد مقصد تھا۔

بخاری کی روایت میں حضرت زیدؓ کے انتخاب کے جو معقول اسباب ذکر ہوئے وہ تو آپ نے دیکھے لیکن یہاں ایک نہایت اہم جزء اور بھی ہے جسے حافظ ابن کثیر نے اپنی مشہور تاریخ میں لکھا ہے اور وہ یہ،

وکان علیؓ یحبہ وکان یعظم علیاً ویعرف لہ قدرہ[1] — یعنی حضرت علیؓ کو ان سے بڑی محبت تھی اور یہ بھی حضرت علیؓ کی بڑی تعظیم اور قدرشناسی فرماتے تھے۔

شاید جمع قرآن کی تاریخ میں یہ بھی ایک اعجاز مستور تھا کہ اس کے ارکان میں وہ شخص بھی داخل ہو

---

[1] البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۳۴۲

جس کو محبوبیت اور محبیت علیؓ کا فخر میسر ہو تاکہ آئندہ بدگمانی کا کسی کو کوئی موقعہ میسر ہی نہ آسکے۔ مگر ان سب احتیاط اور قدرتی کرشموں کے باوجود جنھیں قرآنی حفاظت کا انکار کرنا مقدر تھا آخر انھوں نے کر ہی دیا وماذا بعد الحق الا الضلال۔

متعصبین کا دل اس جگہ نہ معلوم اس قلم کو کتنی بددعائیں دیتا ہوگا جس نے دنیا تک باقی رہنے والی تاریخ میں حضرت زیدؓ کو محبین علی کی فہرست میں لکھدیا ہے۔

فاروقِ اعظمؓ صدیقِ اکبرؓ سے سب سے پہلے بیعت کرتے ہیں۔ ادھر شہادت عثمانؓ کے وقت پہلے محافظ صاحبزادگان حضرت علیؓ ہیں۔ اس بے نظیر اتفاق کو ہزار گندہ کیجئے گندہ ہونیوالا نہیں ہے اس لئے یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ جمع قرآن صرف خلفار اربعہ کی اتفاق رائے سے نہیں بلکہ جمہور صحابہ کے اتفاق رائے سے ہوا جیسا کہ اس کے براہین وشواہد آپ ابھی اور ملاحظہ فرمائیں گے۔

(باقی آئندہ)

اسلام کا اقتصادی نظام

(جدید ایڈیشن)

ہماری زبان میں پہلی بے مثل کتاب جس میں اسلام کے پیش کئے ہوئے اصول وقوانین کی روشنی میں اس کی تشریح کی گئی ہے کہ دنیا کے تمام اقتصادی اور معاشی نظاموں میں اسلام کا نظامِ اقتصادی ہی ایسا نظام ہے جس نے محنت وسرمایہ کا صحیح توازن قائم کرکے اعتدال کی راہ نکالی ہے۔ اسلام کی اقتصادی وسعتوں کا مکمل نقشہ سمجھنے کے لئے اس کتاب کا مطالعہ بیحد مفید ہے کتاب اس دفعہ بڑی تقطیع پر طبع کرائی گئی ہے صفحات ۳۶۰ قیمت تین روپے

پتہ:- مکتبہ "برہان" قرول باغ دہلی